شبیر احمد خاں غوری

# ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی

## نام و نسب اور ابتدائی زندگی

ملک العلما کا نام احمد اور شہاب الدین لقب تھا مگر اس لقب کی اتنی شہرت ہوئی کہ اس کے مقابلے میں اصل نام بالکل ہی بھلا دیا گیا۔ پدر بزرگوار کا نام شمس الدین اور جد امجد کا اسم گرامی عمر تھا، چنانچہ میر غلام علی آزاد نے "سبحۃ المرجان" میں لکھا ہے:

"مولانا قاضی شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر الزاولی الدولت آبادی"[51]

قاضی شہاب الدین کا خاندان حسب تصریح فرشتہ غزنی سے آیا تھا (شہادت نیچے آ رہی ہے) مگر آزاد انھیں زاولی بتاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل وطن زابلستان تھا۔ دریائے ہلمند اور دریائے قندھار کے بالائی حصوں کے پہاڑی علاقہ کو عرب زابلستان کہتے تھے لیکن خصوصیت کے ساتھ اس سے وہ علاقہ مراد لیا جاتا ہے جو غزنہ کے گرد واقع ہے۔[52]

(اس لیے فرشتہ اور میر غلام علی آزاد کی تصریحات میں کوئی منافات نہیں ہے)

ولادت کا سال بالتعیین معلوم نہیں لیکن غالباً آٹھویں صدی ہجری کے ربع آخر میں شہر دہلی کے اندر پیدا ہوئے۔ نشو و نما دولت آباد (دیوگری) میں پائی جو محمد تغلق کے عہد میں کچھ عرصہ کے لیے دہلی کے بجائے اس کا دار السلطنت رہ چکا تھا۔ اسی لیے دولت آبادی کہلاتے ہیں۔ فرشتہ ابراہیم شاہ شرقی کے حال میں لکھتا ہے:

[53]"از جملہ فضلائے عصر او یکے قاضی شہاب الدین جونپوری است۔ اصل او از غزنین است در دولت آباد دکن نشو و نما یافت۔"

---

[51] سبحۃ المرجان صفحہ ۳۹۔ [52] "ملک قندھار کی سطحات مرتفع جو دریائے ہلمند کے بالائی حصہ کے متوازی واقع ہیں، زابلستان کہلاتی ہیں۔" (جغرافیہ خلافت مشرقی صفحہ ۳۰۰) "جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، دریائے ہلمند اور دریائے قندھار کے بالائی حصوں کے پہاڑی علاقہ کو عرب زابلستان کہتے تھے۔ اس لفظ کے معنی مبہم ہیں لیکن زابلستان سے بالخصوص وہ علاقہ مراد لیا جاتا ہے جو غزنہ کے گرد واقع تھا۔ اس کے مقابل کابلستان یعنی کابل کا ملک تھا جو زیادہ شمال میں بامیان کی سرحد پر واقع تھا۔" [53] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۰۶

## ملک العلما قاضی شہاب الدین

غالباً ابتدائی تعلیم بھی وہیں پائی ہوگی۔ بعد میں دہلی تشریف لے آئے۔

### اعلیٰ تعلیم سلسلۂ تلمذ

ملک العلما نے اعلیٰ (مطولات کی) تعلیم دہلی میں آکر حاصل کی جہاں پہلے قاضی عبد المقتدر شریحی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور اپنی مستعدی اور سرعت فہم و ذکا کی بدولت بہت جلد استاد کی نظروں میں سما گئے۔ چنانچہ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"قاضی عبد المقتدر در باب او می فرمود: پیش من طالب علمے می آید کہ پوست او علم و مغز او علم و استخوان او علم است۔"[۴]

قاضی عبد المقتدر شریحی نے ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد ملک العلما مولانا خواجگی کی خدمت میں پہنچے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مولانا خواجگی مولانا معین الدین عمرانی کے شاگرد رشید تھے۔ یہاں بھی بہت جلد ہم چشموں کے درمیان امتیازی مقام حاصل کر لیا۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

مولانا القاضی شہاب الدین تلمذ علی القاضی عبد المقتدر الدہلوی ومولانا خواجگی الدہلوی وھو من تلامذۃ مولانا معین الدین العمرانی رحمہ اللہ تعالیٰ ففاق اقرانہ وسبق اخوانہ۔" (سبحۃ المرجان صفحہ ۳۹)

"مولانا قاضی شہاب الدین نے قاضی عبد المقتدر دہلوی اور مولانا خواجگی دہلوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور وہ (موخر الذکر) مولانا معین الدین عمرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد تھے، پس اپنے معاصرین میں فوقیت حاصل کی اور ساتھیوں سے بڑھ گئے۔"

ملک العلما نے مولانا خواجگی ہی سے سند حاصل کی۔

### تیمور کا حملہ اور دہلی کا انخلاء

اسی زمانہ میں تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا (۸۰۱ھ)۔ دہلی پر بھی اس کے حملے کی متوحش خبریں لگاتار سننے میں آنے لگیں۔ اسی زمانہ میں میر سید محمد گیسو دراز نے خواب دیکھا، جس کی تعبیر مغلوں کا حملہ تھی[۱]۔ یوں بھی تیموری لٹیروں نے طلنبہ، ملتان اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا تھا[۲]۔ اس کی تفصیلات سننے

---

[۱] مولانا خواجگی پیش از آمدن امیر تیمور گورگان بنا بر رویاء صالحہ کہ میر سید محمد گیسو دراز دیدہ بودند و از آمدن مغل اخبار نمودہ از دہلی برآمدہ بکالپی رسید۔ متوطن شدہ درہماں جا بسر برد۔ مقبرۃ الشان بیرون شہر کالپی است۔" (اخبار الاخیار صفحہ ۱۴۴)

[۲] "در ماہ صفر سنہ احدیٰ و ثمانمائہ امیر تیمور صاحبقرانی قصبہ طلنبہ را تاختہ و در ملتان نزول فرمودہ تمامی (باقی بر صفحہ ۷)

کے بعد باشندگانِ دہلی کے لیے وطن مالوف میں قیام خودکشی کے مترادف تھا۔ لہٰذا دہلی کے اکثر و بیشتر وجوہ و اعیان ہجرت پر مجبور ہوئے۔ انھیں میں مولانا خواجگی بھی تھے۔ وہ بھی اپنے شاگردِ رشید قاضی شہاب الدین کو لے کر دہلی سے نکل پڑے اور کالپی پہنچے۔ کالپی اس زمانہ میں ایک بڑا اہم اور بارونق شہر تھا۔ بہرحال مولانا خواجگی تو وہیں اقامت گزیں ہو گئے۔ مگر قاضی شہاب الدین وہاں سے جونپور تشریف لے گئے جسے ابراہیم شاہ شرقی کی معارف پروری اور علم دوستی نے مشرق کا شیراز بنا دیا تھا۔ مولانا خواجگی کے دوست مولانا احمد تھانیسری دہلی ہی میں رہ گئے تھے، جہاں تیموری حملے کے دوران میں اُن سے اور صاحبِ ہدایہ کے پوتے سے تیمور کے دربار میں جھگڑا ہوا۔ بعد میں مولانا بھی کالپی پہنچے اور وہیں وفات پائی۔

## سلاطینِ جونپور کی علمی سرپرستی

مسلمانوں کی تاریخ میں علم و ادب کی سرپرستی لوازم جہانداری میں سمجھی جاتی رہی ہے۔ سلاطین جونپور نے بھی بڑی فراخ دلی سے اربابِ کمال کی تربیت میں حصہ لیا۔ ان میں ابراہیم شاہ شرقی کا نام خاص طور سے مشہور ہے اس کے بارے میں نظام الدین ہروی رقمطراز ہے:

"علما و بزرگان کہ از آشوبِ جہاں پریشان خاطر بودند، بجونپور کہ دراں ایام دارالامان بود، سر برآوردند، و آں دارالسلطنت از قدوم علماء دارالعلم گردید و چندیں کتب و رسائل بنام او تصنیف شد مثل حاشیہ ہندی و بحر مواج و فتاوائے ابراہیم شاہی و غیر ذالک"۔ (طبقات اکبری ص ۲۸۰)

اسی طرح فرشتہ اس کے بارے میں لکھتا ہے:

"اما شاہے بود متصف بعقل و دانش و تدبیر۔ در عصر وے فضلائے ممالک ہندوستان و دانشمندانِ ایران و توران کہ از آشوبِ جہان پریشان خاطر بودند، بدارالامان جونپور آمدہ در عہد امن و امان غنودند و از خوانِ احسانِ او بہرہا برداشتہ بنام نامی او چنانچہ بزبان علم خواہد آمد چندیں کتب و رسائل پرداختند"۔[۱]

(بقیہ حاشیہ ص ۲) اسیران لشکر سارنگ خانی را کہ میرزا پیر محمد رسیدہ داشت زیر تیغ بے دریغ گذرانیدہ۔ و از آنجا توجہ فرمودہ وسامانہ را گرفتہ و جہانے را کہ از گریختگان دیار دیپال پور واجودھن و سرستی کہ از ترس بہر جانبے سراسیمہ و سرگردان دست و پائے زدند مقتول گردانید و مجمع کثیر را مقید ساختہ ہمراہ داشت و طے منازل و مراحل نمودہ از آب جون عبرہ کردہ میان دوآب آمدہ، و دریں منزل مقدار پنجاہ ہزار اسیر را تخمیناً کہ تا آب گنگ بردست سپاہیان افتادہ بود طعمہ تیغ ساخت و بعضے از اہل عمائم و ارباب سعادت لشکر نیز کہ ہیچ گاہ با تیغ آشنائی نداشتند، این ہمہ اسیرانِ اہل اسلام ہندی را ہندو خیال کردہ بطمع ثواب و جہاد بدستِ خود بملکِ آخرت رسانیدند۔

[۱] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۰۵

ان نوواردوں میں قاضی شہاب الدین، شیخ ابو الفتح (نبیرہ قاضی عبد المقتدر شریحی) قاضی احمد بن محمد (مصنف فتاوائے ابراہیم شاہی)، قاضی تاج الدین ظفر آبادی، مولانا قیام الدین ظفر آبادی، قاضی نصیر الدین (شاگرد قاضی عبد المقتدر شریحی) شیخ خضر بن الحسن البلخی، قاضی نظام الدین غزنوی زیادہ مشہور ہیں۔

ابراہیم شاہ کو علما سے اس درجہ عقیدت تھی کہ وہ اُن پر جان نثار کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ اس کے عہدِ حکومت کا خاص کارنامہ "فتاوائے ابراہیم شاہی" کی تدوین ہے۔

ابراہیم شاہ کا جانشین اس کا بیٹا محمود شاہ تھا۔ اس کی علم دوستی کے باب میں فرشتہ لکھتا ہے:

"سلطان محمود شاہ شرقی بجانب جونپور شتافت و بدستور پدر بزرگوار دست بذل و عطا از آستین جود و سخا بر آوردہ علما و فضلا و صلحا بلکہ جمیع طبقات انام را علی اختلاف مراتبہم محظوظ و بہرہ مند گردانید۔" (تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۰۸)

اس خاندان کا آخری بادشاہ سلطان حسین شاہ شرقی تھا۔ وہ خود عالم تھا اور قاضی سماء الدین جونپوری کا شاگرد تھا جو ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے تلامذہ کے شاگرد تھے۔ حسین شاہ نے تخت نشین ہو کر انھیں قتلغ خاں کا خطاب دے کر اپنا وزیر بنا لیا تھا۔

اس طرح شرقی سلاطین کی علمی سرپرستی اور علما جونپوری کی علمی کاوشوں نے اس شہر کو "شیرازِ مشرق" بنا دیا تھا، چنانچہ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"دار السرور جونپور کانت دار الخلافۃ للسلاطین الشرقیہ نشأ بہا کثیر من المشائخ والعلماء۔" (سبحۃ المرجان ص ۳۹)

جونپور جو علما کا گھر ہے، مشرقی سلاطین کا پایۂ تخت تھا۔ یہاں کثیر التعداد علما و مشائخ پیدا ہوئے ہیں

## ملک العلما جونپور میں

جونپور میں ملک العلما کی توقع سے زیادہ قدر ہوئی۔ سلطان ابراہیم شاہ نے انھیں ممالک محروسہ کا عہدۂ قضا تفویض کیا۔ اور اس کے ساتھ خطاب "ملک العلمائی" سے نوازا۔ منصب قضا کی جاہ و عزت تو اُن کی زندگی کے ساتھ ہی بھولی بسری داستان بن گئی مگر "ملک العلماء" کا خطاب آج بھی تاریخ کو یاد ہے اور قرونِ وسطیٰ کی تاریخ میں وہ اسی نام سے مشہور ہیں۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"ذھب الی دار السرور جونفور، فاغتنمہ السلطان ابراہیم الشرقی جونفور ودودہ ونصر سقاہ السحائب الاحسان دردوہ وعظمہ بین الکبراء ولقبہ

## بملک العلماء"[۱]

ملک العلما قاضی شہاب الدین جونپور پہنچے جو علما کا گھر ہے، پس سلطان ابراہیم شاہ شرقی نے اُن کے ورود مسعود کو غنیمت جانا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے ابر احسان سے اس سرزمین کو سیراب کیا۔ بادشاہ نے انھیں "ملک العلماء" کا خطاب دیا۔

عزت کا یہ عالم تھا کہ دربار میں چاندی کی کرسی پر انھیں بٹھایا جاتا تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے:

"سلطان ابراہیم در تعظیم و توقیر او بسیاری کوشید و در روزہائے متبرک در مجلس او بر کرسی نقرہ می نشست"[۲]

اس لیے جلد ہی محسود اقران ہو گئے۔

## حریفوں سے مقابلہ

جاہ و ثروت ہمیشہ حساد پیدا کیا کرتے ہیں۔ ملک العلما بھی اس اجتماعیات کے کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے۔ ابراہیم شاہ شرقی کے یہاں جو ان کی غیر معمولی قدر و منزلت ہوئی، اُس سے اُن کے ساتھیوں کو بڑا حسد ہوا اور وہ ان کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنے لگے۔ ملک العلما نے یہ قصہ شفیق استاد (مولانا خواجگی) کو لکھا۔ انھوں نے ہمت بندھائی اور کچھ ہی دن میں حساد بدبیں فنا ہو گئے۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"قاضی جانب جونپور رفت سلطان ابراہیم شرقی اشرق اللہ ضریحہ مقدم او را مغتنم دانستہ لوازم قدر شناسی افزوں از وصف بجا آورد و بہ خطاب ملک العلمائی بلند آوازہ ساخت۔ عرق حسد ابنائے جنس در جنبش آمد۔ قاضی شکایت حساد بمولانا خواجگی نوشت۔ مولانا ایں دو بیت سعدی شیرازی در جواب قلمی فرمود ے

اے بیش از آنکہ در قلم آید ثنائے تو ۔۔۔ واجب بر اہل مشرق و مغرب دعائے تو
اے بقائے عمر تو نفع جہانیاں ۔۔۔ باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو

گویند در اندک زمانے جماعہ حساد فانی گشتند" (مآثر الکرام ص ۱۸۸، ۱۸۹)

یہ بچپن کے ساتھی جو آخر میں ملک العلما کے حاسد بن گئے تھے، مولانا احمد تھانیسری کے لڑکے تھے مولانا احمد تھانیسری کا مولانا خواجگی کے ساتھ بڑا خلوص و محبت تھا مگر وہ (مولانا احمد تھانیسری) فترت تیموری کے زمانہ میں اپنے دوست کے ساتھ نہیں گئے لیکن جب ان کی توقع کے خلاف تیمور نے اُن کی عزت نہ کی تو وہ بھی کالپی جانے

---

[۱] سبحۃ المرجان صفحہ ۳۹۔

[۲] تاریخ فرشتہ جلد ثانی صفحہ ۳۰۶۔

پر مجبور ہو گئے، کالپی میں پھر اپنے قدیم دوست مولانا خواجگی کے ساتھ عقد مواخاۃ کی تجدید کی۔[۱] مولانا احمد نے تو کالپی ہی میں وفات پائی، مگر اُن کی اولاد ابراہیم شاہ شرقی کی جود وسخا اور معارف نوازی کی داستانیں سن کر جونپور پہونچی اور وہاں ملک العلما کو جاہ وعزت کے اعلیٰ مدارج پر فائز پایا۔ اس لیے برنباے حسد اُن کی ایذا رسانی میں مشغول ہوئے۔ اسی کا شکوہ ملک العلما نے مولانا خواجگی سے کیا تھا، جس کے جواب میں انھوں نے مذکورہ بالا دو بیت لکھ کر بھیجے تھے۔

## درس وتدریس اور علمی مشاغل

اس ذہنی انتشار و پراگندگی خاطر سے نجات ملی تو ملک العلما نے مسند درس وافادہ کو رونق بخشی بقول آزاد بلگرامی :

"فزین القاضی مسند الافادۃ وفاق البرجیس فی افاضۃ السعادۃ"

اس کے ساتھ آنے والی نسلوں کے لیے تالیف وتصنیف کے ذریعہ افادات علمیہ قلم بند کیے :

"والف کتبھا سارت بھا رکبان العرب والعجم"۔[۲]

اور یہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے۔ ملک العلما کی تصانیف جس قدر ہندوستان میں مقبول ہوئیں اُسی قدر بیرون ہندوستان میں بھی حتیٰ کہ مشاہیر افاضل عجم نے بھی ان کے ساتھ اعتنا کیا۔ اس کی تفصیل "تصانیف" کے ضمن میں آرہی ہے۔

ظاہر ہے ایسے باکمال کے ساتھ اگر سلطان ابراہیم شاہ کو عقیدت تھی تو بے جا نہ تھا۔ یوں بھی وہ علما وفضلا کا عقیدت مند تھا اور ملک العلما کا تو خاص طور سے۔ اگر ان کے پھانس بھی چبھ جاتی تو بے چین ہو جاتا، اور ان کی تکلیف کو خود لینے کی دعا کرتا۔ فرشتہ کہتا ہے :

"گویند وقتے مولانا (شہاب الدین ملک العلما) را مرضے طاری شد۔ سلطان ابراہیم بعیادت او رفتہ۔ بعد از تفتیش احوال و اظہار لوازم مہربانی قدحے را پُر آب کردہ گرد سر مولانا گردانید و خود نوشیدہ گفت۔ بار خدایا ہر بلائے کہ در راہ او باشد

---

[۱] مولانا احمد تھانیسری از آنجا با اہل وعیال بر آمدہ بکالپی متوطن شد و طریقہ مواخاۃ کہ مولانا خواجگی بود وسلوک می داشتہ اند۔ میان اولاد ایشان وقاضی شہاب الدین کہ شاگرد و فرزند معنوی مولانا خواجگی بود، نقار واقع شد۔ قاضی شکوہ ایشان را بخدمت مولانا خواجگی نوشتہ استعانت نمود۔ مولانا این دو بیت شیخ سعدی را در جواب او نوشت۔"

[۲] سبحۃ المرجان صفحہ ۳۹

نصیبِ من گرداں واو راشفا بخش - وازیں جا عقیدۂ آں صاحب تاج وتخت نسبت بعلمائے شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم مے تواں کرد کہ تاچہ غایت بود" (تاریخ فرشتہ جلد ثانی ص ۳۰۶)

## وفات

قاضی شہاب الدین کو بھی سلطان ابراہیم سے بے حد محبت تھی - فرشتہ لکھتا ہے کہ جب ۸۴۰ھ میں سلطان کا انتقال ہوا تو ملک العلما کو اس سے انتہائی صدمہ ہوا اور اسی غم میں داعی اجل کو لبیک کہا

"قاضی شہاب الدین نیز باسلطان عصر موافقت کرد چنداں از فوت شاہ ابراہیم شاہ مغموم گشت کہ درہماں سال یعنی اربعین وثمان مائۃ بعالم قدس تشریف برد - والبقاء للملک المحمود" (تاریخ فرشتہ ج ثانی ص ۳۰۶)

دوسری روایت ہے کہ قاضی شہاب الدین نے ۸۴۲ھ میں وفات پائی چنانچہ فرشتہ آگے چل کر لکھتا ہے:

"وبعضے گویند بدو سال بعد از فوت سلطان ابراہیم طائر روحش درسنہ اثنی واربعین وثمان مائۃ بروضہ رضوان پرواز کرد"

صاحب "اخبار الاخیار" ان کا سال وفات ۸۴۸ھ بتاتے ہیں[1] - لیکن آزاد بلگرامی نے اُن کی وفات ۲۵ رجب المرجب ۸۴۹ھ بتائی ہے:

"توفی لخمس بقین من رجب المرجب سنہ تسع واربعین وثمانمائۃ ودفن بجونفور فی الجانب الجنوبی من مسجد السلطان ابراہیم الشرقی"[2]

اسی طرح "مآثر الکرام" میں لکھا ہے:

"قاضی در بست وپنجم رجب المرجب ۸۴۹ھ تسع واربعین وثمانمائۃ بہ گلگشت فردوس اعلیٰ اشتافت - مرقد منورش در بلدۂ جونپور جانب جنوبی مسجد سلطان ابراہیم شرقی" (مآثر الکرام ص ۱۸۹)

## معاصرین

قاضی شہاب الدین کے تلامذہ کے علاوہ جن کی تفصیل آگے آرہی ہے، دیگر فضلائے روزگار نے بھی جونپور کی ثقافتی ثروت میں حصہ لیا - ان کا استقصا تو بہت مشکل ہے، صرف اُن مشاہیر علم وفضل کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے نام عام تاریخ وتراجم کی کتابوں میں محفوظ رہ گئے ہیں:

---

[1] "وفاتِ او درسنہ ثمان واربعین وثمان مائۃ - قبر او در شہر جونپور است" (اخبار الاخیار ص ۱۸۰)

[2] سبحۃ المرجان، ص ۳۹

ان میں سب سے مشہور قاضی عبدالمقتدر شریحی (استاد ملک العلما شہاب الدین) کے پوتے اور شاگرد مولانا ابوالفتح بن عبدالحی تھے۔ وہ ۷۷۲ھ میں اپنے والد کی وفات کے کچھ ہی دن بعد پیدا ہوئے۔ لہٰذا دادا قاضی عبدالمقتدر نے پرورش کی اور انھیں سے تعلیم حاصل کی۔ بعد فراغت کچھ دن دہلی میں درس و تدریس کے فرائض دیتے رہے۔ فترت تیموری کے زمانہ میں دہلی چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور جونپور پہنچ کر وہیں سکونت اختیار کر لی۔ فقہ و اصول، علم کلام اور عربی ادب میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ۸۵۸ھ میں وفات پائی۔ مولانا ابوالفتح کے ملک العلما کے ساتھ اصول کلامیہ اور فروع فقہیہ میں مباحثے بھی ہوا کرتے تھے۔[1]

اس عہد کے علما میں دوسرا مشہور نام قاضی نظام الدین احمد بن محمود جونپوری صاحب "فتاوائے ابراہیم شاہیہ" کا ہے۔ ان کے اسلاف عرب سے آئے تھے اور گجرات میں متوطن ہو گئے تھے۔ قاضی نظام الدین احمد کی ولادت وہیں ہوئی۔ اور وہیں کے علما سے انھوں نے تعلیم حاصل کی اور فقہ و اصول میں خاص طور سے تبحر حاصل کیا، یہاں تک کہ اکابر علما میں محسوب ہونے لگے، مگر بعد ازاں جونپور چلے آئے جہاں ابراہیم شاہ شرقی نے انھیں عہدۂ قضا عنایت کیا۔ قاضی نظام الدین احمد کا بڑا کارنامہ جسے شرقی سلاطین کی علمی سرپرستیوں کا شاہکار سمجھنا چاہیے۔ "فتاوائے ابراہیم شاہیہ" کی تدوین ہے۔ اسی زمانہ میں قاضی حماد الدین گجراتی کے ایما سے "فتاوائے حمادیہ" مدون ہوا تھا، مگر شہرت، "فتاوائے ابراہیم شاہیہ" ہی کو ہوئی۔ فقہ حنفی کا یہ شاہکار ایک سو ساٹھ فقہ کی کتابوں کی مدد سے تیار کیا گیا تھا۔ حاجی خلیفہ نے اسے "فتاوائے قاضی خاں" کا ثانی بتایا ہے۔ قاضی نظام الدین احمد نے ۸۷۴ھ میں وفات پائی۔

اس کے بعد ایک اور مشہور عالم قاضی نصیر الدین گنبدی تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی زندگی بسر کی۔ اور قاضی عبدالمقتدر شریحی سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ فاتحۂ فراغ کے بعد دہلی ہی میں درس و تدریس کا سلسلہ

---

[1] "شیخ ابوالفتح جونپوری مرید و شاگرد جد خود است قاضی عبدالمقتدر (و نیز بر طریقۂ جد خود فاضل و دانشمند بود و بر حکم وصیت او بدوام درس و افادۂ علوم مشغول فصیح بود، و بزبان عربی قصائد و بزبان فارسی نیز شعرے دارد۔ او را با قاضی شہاب الدین در اصول کلامیہ و فروع فقہیہ بحثہائے بود، خصوصاً در زبا دکہ اگر بہ شکیں می چکد۔ شیخ آں را نجس می گفت و قاضی بطہارت او می رفت و از آنجا نے در بعضے رسائل کہ دریں بحث تالیف کردہ و نوشتہ است، و اولاد او بعضے سخناں از وے دریں بحث نقل می کنند معلوم می شود کہ بر شیخ طریقۂ موالی از طعن و تشنیع خصم غالب بود و محتمل کہ آنہا ہم در ایام بحث بسبب بعضے عوارض عارض شدہ باشد۔" (اخبار الاخیار ص ۱۰۵) شیخ ابوالفتح بن عبدالحی کے شاگردوں میں شیخ محمد بن ابی البقا کرمانی لکھنوی اور شیخ محمد بن ابی محمد قدوائی دریابادی خاص طور سے مشہور تھے۔

شروع کیا مگر فترت تیموری کے زمانہ میں دہلی چھوڑ کر جونپور چلے آئے۔ جہاں عہدہ قضا پر مامور ہوئے۔ آخر عمر میں مستعفی ہو کر عزلت گزیں ہو گئے اور بقیہ عمر زہد و عبادت میں گذاروی۔ قاضی شہاب الدین نے جب "ارشاد" کو تصنیف کیا تو اُن سے خواہش کی کہ اسے اپنے یہاں نصاب میں داخل کر لیں، تاکہ اُن کی قدر افزائی سے کتاب کو قبول عام نصیب ہو جائے۔ قاضی نصیر الدین نے اس کتاب کی بڑی تعریف کی مگر کہا اسے نصاب میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے[۵۱]۔

ابراہیم شاہ کی علم دوستی و علم نوازی نے جن مشاہیر اہل کمال کو بیرون ہند سے کھینچ بلایا، اُن میں قاضی نظام الدین غزنوی اور ان کے صاحبزادے قاضی منار الدین خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ قاضی نظام الدین ۸۱۷ھ میں اپنے والد او استاد قاضی صدر الدین حسین کی وفات پر اپنے بیٹے کے ہمراہ جونپور آئے۔ یہاں ملک العلما کی سفارش سے ابراہیم شاہ شرقی نے انھیں مچھلی شہر کا قاضی مقرر کیا تھا۔

جونپور ہی کے نواح میں ظفر آباد ہے۔ یہ قصبہ بھی اس زمانہ میں اہل علم کا مرکز تھا۔ مشاہیر علما میں قاضی تاج الدین، شیخ رکن الدین، مولانا قیام الدین اور مولانا نور الدین خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

علمائے کرام کے علاوہ اس عہد میں جونپور کو اکثر مشائخ عظام کے نفوس قدسیہ کی یمن و برکت بھی نصیب تھی جیسے شیخ اسد الدین حسینی الواسطی، ان کے صاحبزادے شیخ نور الدین اور شیخ نور الدین کے صاحبزادے شیخ قطب الدین ظفر آبادی جو ملک العلما کے شاگرد تھے۔ دیگر مشائخ عظام میں شیخ امجد بن اجمل جونپوری، شیخ جلال الدین جونپوری، شیخ رکن الدین جونپوری اور مولانا عادل ملک جونپوری مشہور ہیں۔

مشائخ جونپور کے گل سر سبد حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے جن کا مزار ردولی شریف میں ہے۔ انھیں کی روحانیت سے شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ نے جو ملک العلما کی دختری اولاد میں بڑا بلند مقام رکھتے ہیں، فیض حاصل کیا تھا۔ شیخ احمد عبد الحق کا وصال ۸۳۶ھ میں ہوا لیکن جن مشائخ سے ملک العلما کے خصوصی تعلقات منقول ہیں وہ تھے: شاہ بدیع الدین مدار رحمہ اللہ اور امیر سید اشرف جہانگیر سمنانی رح شاہ بدیع الدین مدار رح اس زمانہ

---

۵۱ قاضی نصیر الدین گنبذی: دانشمند بود و درویش، ہیچ چیز از دنیا نداشت۔ نقل است کہ در وقتے کہ قاضی شہاب الدین حواشی کافیہ را نوشت بخدمت او فرستاد و التماس نمود کہ اگر ایشاں ایں حواشی را درس گویند، قبول دیگر یابد، او بجہتِ غلبۂ اشتغال باطن و یا برائے سدباب بحث و نزاع نظر اجمالی براں انداخت و گفت خوب نوشتہ اند۔ احتیاج درس گفتن نیست۔

(اخبار الاخیار صفحہ ۱۸۱)

کے اجل شیوخ میں سے تھے۔ صاحب "اخبار الاخیار" لکھتے ہیں:-

"عجیب احوال او، عجائب اطوار از وے نقل می کنند۔ گویند کہ وے در مقام صمدیت کہ از مقامات سالکان است، بود۔ تا دوازدہ سال طعام نخوردہ ولباسے کہ یکبار پوشیدہ، بار دیگر احتیاج بتجدید غسل او نشدہ، اکثر احوال برقع برو کشیدہ بودے۔ گویند ہر کرا نظر بر جمالِ او افتادے بے اختیار سجود کردے۔ سلسلۂ او بسبب کبر سن یا جہتے دیگر، بہ پنج پشت واسطہ بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم مے پیوند" (اخبار الاخیار، ص ۱۶۴)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے یہ تو لکھا ہے کہ شاہ مدارؒ نے ملک العلما کو کوئی مکتوب لکھا تھا[۱] جس کا مضمون اُن کے زمانہ میں معروف و مشہور ہوگا، لیکن آج کل اس کی تصریح نہیں ملتی۔ ایسا خیال ہوتا ہے کہ غالباً ملک العلماء نے شاہ مدارؒ کے مریدوں کی غیر شرعی رسموں پر نکیر و گرفت کی ہوگی[۲]، بالخصوص اُن کے "سجدہ" پر[۳]۔ اسی کی مدافعت میں شاہ مدارؒ نے ملک العلماء کو مکتوب لکھا ہوگا۔

دوسرے جلیل القدر بزرگ امیر سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ وطن مالوف سے امیر سید علی ہمدانی رحؒ کے ساتھ سیر و سیاحت کے لیے نکلے، اور ہندوستان چلے آئے جہاں شیخ علاء الحقؒ کے مرید ہوئے۔ اگرچہ علوم طریقت و معرفت میں انھیں اس سے پہلے ہی تبحر حاصل ہو چکا تھا۔ ان کے مکاتیب و ملفوظات حقیقت و تصوف میں بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں۔ ملک العلما کے معاصر تھے[۴]۔ اور انھوں نے ان سے "ایمانِ فرعون" کے مسئلہ کی جو فصوص الحکم ابن عربی کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے[۵] تحقیق چاہی تھی جس کے جواب میں امیر سید اشرف جہانگیرؒ

---

[۱] "قاضی شہاب الدین دولت آبادی در عہد او بود۔ مکتوبے در مردم ہست کہ گویند شاہ مدار آنرا بجانب قاضی شہاب الدین نوشتہ بود۔" (اخبار الاخیار، ص۱۶۴)

[۲] جس طرح ملک العلما نے شیخ رکن الدین اور ان کے مریدوں پر اعتساب کیا تھا۔ شیخ رکن الدین شریعت کا زیادہ احترام نہیں کرتے تھے۔ اُن کے مرید اُن کے آگے سجدہ کیا کرتے تھے اور وہ انھیں منع نہیں کیا کرتے تھے۔ ملک العلما نے ان کے اس فعل پر بارہا گرفت کی تھی۔

[۳] شاہ مدارؒ کے لیے تو شیخ عبد الحق محدثؒ کی تصریح اوپر مذکور ہو چکی ہے کہ جو انھیں دیکھ لیتا بے اختیار سجدے میں گر جاتا۔

[۴] "میر سید اشرف سمنانی با قاضی شہاب الدین دولت آبادی معاصر بود، غالباً قاضی از وے تحقیق بحث ایمان فرعون کہ در فصوص اشارتے بداں واقع شدہ است کردہ بود۔ و وے دریں باب بوے مکتوبے نوشت۔" (اخبار الاخیار، ص ۱۶۶)

[۵] "بباید دانست کہ در فصوص کہ از نسبت او سخن افتادہ دو جا آوردہ اند کہ بدلائل عشرہ اشتہار دارد۔ مشکل ترین مقامات و معلق ترین مقدمات وے آنست کہ بسیار شارحاں دریں جا پیچیدہ اند و سخن باصل بحث نرسانیدہ اند۔" (مکتوب امیر سید اشرف جہانگیر بنام قاضی شہاب الدین بحوالہ اخبار الاخیار صفحہ ۱۶۶)

نے ایک مبسوط خط لکھا تھا[۱]۔ اس خط میں انھوں نے اپنے ایک مرید شیخ رضی کی سفارش بھی کی تھی[۲]۔

## جلالت قدر

قسام ازل نے عزت واحترام کی نعمت ملک العلما کو شروع ہی سے دی تھی۔ طالب علمی کے زمانہ میں اُن کے استاد عبدالمقتدرؒ فرمایا کرتے تھے :

"پیشِ من طالب علمے می آید کہ پوست او علم و مغز او علم و استخوان او علم است۔"

شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ

"واز یں طالب علم قاضی شہاب الدین را علیہ الرحمۃ می خواست۔" (اخبار الاخیار۔ صفحہ ۱۸۱)

دوسرے استاد مولانا خواجگی نے ان کی تعریف میں لکھ کر بھیجا تھا :

اے بیش ز انکہ در قلم آید ثنائے تو — واجب بر اہل مشرق و مغرب دعائے تو

اے در بقائے عمر تو نفع جہانیاں — باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو

امیر سید اشرف جہانگیرؒ جن کا مشائخ وقت میں بڑا رتبہ تھا اور جو غالباً ملک العلما سے عمر میں بھی بہت زیادہ بڑے تھے انھیں "برادر اعز ارشد جامع العلوم" کہہ کر خط لکھا کرتے تھے۔ مکتوب محولہ میں اُن کی علمیت

---

[۱] اس خط کو شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار میں نقل کیا ہے۔ آغاز بدیں طور ہے :

"برادر اعز ارشد جامع العلوم قاضی شہاب الدین نور اللہ تعالیٰ قلبہ بانوار الیقین دعا، درویشانہ و ثنا بر کیشانہ از درویش باشرف قبول فرمایند۔ نامہ کہ مندرج بہ بعضے از سخنان بود رسید و استفسارے کہ از مبحث فصوص الحکم بہ نسبت فرعون تقاضا کردہ اند بوصول انجامید۔" (اخبار الاخیار، ص ۱۶۶)

اس مکتوب کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملک العلما صوفی مشرب تھے چنانچہ مسئلہ ایمان فرعون کی وضاحت کے بعد لکھا ہے :-

"ہر چند آں برادر قدوۂ علمائے روزگار و زبدۂ فضلا ہر دیار است اما بعنایتِ الٰہی و حمایت نا متناہی و از التفات ایں طائفہ علیہ و توجہات ایں زمرہ سنیہ شربے از مشرب صوفیہ و طربے از مشرب باطنیہ دارد و ایں را از اعلیٰ ترین دولت و احری ترین نعمت تصور کند۔ برخے از اذکار معمول مشائخ چشت گفتہ آمدیم معمول دارند آنچہ از آثار وے نمودار شود بنویسد تا بمطابق او بر نمودار رحمان و اطوار شیطان اقبال و اہمال گفتہ آید۔" مکتوب اشرفی بحوالہ اخبار الاخیار صفحہ ۱۶۷)

[۲] جناب نتیجۃ المشائخ شیخ رضی کہ مصحوب نامہ تشریف بردہ اند غالباً برخے او مایحتاج خود بسلطان ابراہیم مضاعف اقتدارہ عرضہ خواہند کرد۔ توقع از مکارم اخلاق برادرانہ آنکہ سعی و رعایت دریغ نخواہد فرمود۔" (ایضاً، ص ۱۶۷)

کے بارے میں لکھتے ہیں:

"آں برادر قدوۂ علمائے روزگار زبدۂ فضلائے ہر دیار است"

سلاطین وقت کے یہاں اُن کی جو عزت تھی اس کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے کہ سلطان ابراہیم شاہ نہ صرف انھیں ظاہری عزت سے نوازتا تھا بلکہ قلبی خلوص بھی رکھتا تھا کہ اگر اُن کے پھانس چبھ جاتی تو بے چین ہو جاتا اور ان کی تکلیف کو خود لینے پر آمادہ ہو جاتا۔

دربار سلطانی میں ملک العلما کے اس عزت و احترام سے دور و نزدیک کی رعایا بھی واقف تھی اور لوگ انجاح مقاصد کے لیے اُن کی سعی و سفارش کے وسائل ڈھونڈھا کرتے تھے۔ امیر سید اشرف سمنانیؒ نے اپنے عقیدتمند شیخ رضی کی سفارش کے طور پر آپ کو خط لکھا جس میں مسئلہ ایمان فرعون کے اغلاق و اشکال کے حل و توضیح کو اس سفارش کے لیے بطور توطیہ مقصد استعمال کیا اور آخر میں تو تصریح بھی کر دی:

"از انجا کہ درویشاں اطراف روزگار و دل ریشاں اکناف دیار فہمیدہ اند کہ نسبت بفقیر جناب ایشاں را سرے صحبتے است، ضرورت می گردد کہ گاہ گاہ تصدیع اوقات شریفہ دادہ می آید معذور خواہند داشت۔" (مکتوب اشرفی بحوالہ اخبار الاخیار صفحہ ۱۶۸)

بعد کے لوگوں میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اُن کے بارے میں لکھتے ہیں:

"شہرت او صحائفش مغنی است از شرح آں۔ اگر چہ در زماں او دانشمنداں بودہ اند کہ استاداں و شریکاں او بودہ اما شہرت و قبولے کہ حق تعالیٰ او را عطا کرد ہیچ کس را از اہل زماں او نکرد۔" (اخبار الاخیار صفحہ ۱۸۰)

متاخرین میں میر غلام علی آزاد نے اُن کے بارے میں لکھا ہے:

"چراغ امتیاز در انجمن اقران برافروخت۔ اگر چہ در آں عہد دانشمنداں دیگر نیز فائق عصر بودند، اما طالع شہرتے کہ او یافت احدے را میسر نہ گشت۔ و آثارے کہ از و بر صحیفہ روزگار باقی ماند از دیگرے پیدا نیست۔" (مآثر الکرام ص ۱۸۹)

اسی طرح وہ (میر غلام علی آزاد) "سبحۃ المرجان" میں لکھتے ہیں:

"فاق اقرانہ و سبق اخوانہ۔"[1]

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"زین القاضی مسند الافادۃ وفاق البرجیس فی افاضۃ السعادۃ والف کتبا سارت

---

[1] سبحۃ المرجان صفحہ ۳۹

بها ركبان العرب والعجم وازكى سراجا الهدى من النار الموقدة على العلم[۱]

عہدِ حاضر میں مولانا عبدالحیؒ "نزہتہ الخواطر" میں لکھتے ہیں:

"كان غاية فى الذكاء وسيلان الذهن وسرعة الادراك وقوة الحفظ و شدة الانهماك فى المطالعة والنظر فى الكتب لا نكاد نفسه تشبع من العلم ولا تروى من المطالعة ولا تمل من الاشتغال ولا تكل من البحث" (نزہتہ الخواطر: الجزالثالث ص ۱۹)

"ملک العلماء ذہانت و ذکاوت، سرعت انتقال ذہنی، تیزی فہم و ادراک، قوتِ حفظ اور مطالعہ میں شدتِ انہماک نیز وسعت نظر میں انتہائی درجہ کو پہنچے ہوئے تھے کہ حصولِ علم سے سیری ہی نہیں ہوتی تھی، نہ مطالعہ کی پیاس بجھتی تھی، نہ مشغلۂ علمی سے تکان محسوس کرتے تھے اور نہ بحث سے تھکتے تھے۔"

## اولاد امجاد

قاضی شہاب الدین کی کسی اولاد نرینہ کا پتہ نہیں چلتا۔ دختر نیک اختر کی شادی شیخ نصیر الدین نظام الدین کے ساتھ ہوئی تھی۔ شیخ نظام الدین امام ابوحنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے، پہلے دہلی آئے، پھر جونپور تشریف لائے۔ ملک العلما کی صاحبزادی سے شیخ نصیر الدین بن نظام کے یہاں تین لڑکے پیدا ہوئے: صفی الدین۔ رضی الدین اور فخر الدین۔

شیخ صفی الدین (المتوفی ۸۱۹ھ) غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ علوم ظاہری کی تکمیل اپنے نانا قاضی شہاب الدین سے کی اور علوم باطنی کی امیر سید اشرف جہانگیرؒ سے۔ شیخ صفی الدین کے بارے میں امیر سید اشرف جہانگیر فرمایا کرتے تھے کہ ہندوستان میں جامعیت و تبحر علمی کے اندر شیخ صفی جیسا نادرہ زمان میں نے نہیں دیکھا۔ ورع و تقویٰ کے ساتھ دستگاہ علمی بھی رکھتے تھے۔ تصانیف میں دو کتابیں مشہور ہیں خصوصاً اپنے صاحبزادے شیخ اسماعیل کے لیے تصنیف کیا تھا: دستور المبتدی صرف میں اور غایۃ التحقیق نحو میں۔ "غایۃ التحقیق" کافیہ کی شرح ہے اور ہندوستانی عبقریت کے ان کارناموں میں سے ہے جن کا ذکر حاجی خلیفہ نے بھی "کشف الظنون" میں کیا ہے، چنانچہ وہ شروح کافیہ کی تفصیل میں لکھتے ہیں:

---

[۱] سبحۃ المرجان صفحہ ۱۹

"ومنها غایۃ التحقیق لصفی بن نصیر وهو شرح ممزوج اولہ الحمد للہ الذی انعم علینا بنعمۃ العظام الخ۔ وهو من تلامذۃ الهندی ذکرہ فیہ و مدح حاشیۃ وقال ان شروح الکافیہ لیست بوافیۃ الاحواشی استاذنا شہاب الدین احمد بن عمر دولت آبادی"

" شرح کافیہ میں سے "غایۃ التحقیق" ہے جو شیخ صفی الدین بن نصیر الدین کی تصنیف ہے۔ اس کی ابتدا 'الحمد للہ الذی انعم علینا بنعمۃ العظام' سے ہوتی ہے۔ شیخ صفی علامہ ہندی (ملک العلما قاضی شہاب الدین) کے شاگردوں میں سے تھے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ کافیہ کی شرحیں حل مطالب میں غیر کافی ہیں سوائے ہمارے استاد شہاب الدین احمد بن عمر الدولت آبادی کے حواشی کے۔

حاجی خلیفہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ کافیہ فہمی کے لیے اکثر لوگ اسی کتاب پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ مصنف نے اسے بڑی تحقیق سے لکھا ہے:

"وکثیر من الناس اکتفوا بما فهموا من ظاهرها فانہ حقق فیها وسماها غایۃ التحقیق"

اور بہت سے لوگ جو کچھ اس کے ظاہر سے سمجھتے ہیں اسی پر اکتفا کر لیتے ہیں کیونکہ مصنف نے اس میں داد تحقیق دی ہے اور (بجا طور پر) اس کا نام "غایۃ التحقیق" رکھا ہے۔

شیخ صفی الدین کے صاحبزادے شیخ اسمٰعیل اذکیائے روزگار میں سے تھے۔ سولہ سال کی عمر میں منقول و معقول سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد مسند درس پہ بیٹھے۔ اپنے پدر بزرگوار کی وفات پر اُن کے سجادہ نشین ہوئے ۹۸۶ھ میں وفات پائی۔

شیخ صفی الدین کے پوتے شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ بڑے متبع سنت اور جید عالم تھے۔ علم کلام کی متداول کتاب "شرح الصحائف" پر تعلیقات لکھیں۔ نیز "عوارف المعارف" اور "التعرف" کی شرح لکھیں۔ ان کے علاوہ ایک اور کتاب "انوار العیون واسرار المکنون" بھی اُن سے یادگار ہے۔ بیعت شیخ احمد عبدالحق کے پوتے شیخ محمد بن عارف سے کی تھی مگر فیض احمد عبدالحقؒ کی روحانیت سے حاصل کیا تھا۔ ۹۴۵ھ میں وفات پائی۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں:

" شیخ عبدالقدوس۔ صاحب علم و عمل و ذوق و حالت و حلاوت و وجد و سماع۔ اگرچہ بظاہر دست بیعت از شیخ محمد گرفتہ است و لے معتقد و عاشق شیخ احمد عبدالحق است و بروحانیت او مشغوف۔" (اخبار الاخیار صفحہ ۲۲۱)

شیخ عبدالقدوسؒ کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ برکت دی اور سبھی علم و عمل اور زہد و عبادت سے متصف

تھے۔ شیخ عبد الحق فرماتے ہیں:

"شیخ عبد القدوس را اولاد بسیار شد و پسران او ہمہ عالم و متعبد و متلبس بلباس مشائخ۔ واز میان ایشان شیخ رکن الدین مرشدے متبرک بود و بمشرب فقر و محبت موصوف برقدم والد خود قدم می نہاد۔" (ایضاً صفحہ ۲۲۲)

شیخ عبد القدوس اور ان کے لڑکے وحدت الوجود کے بڑے سرگرم مبلغ تھے لیکن پوتے شیخ عبد النبی اس کے منکر تھے۔ اسی لیے اُن کے والد نے ناراض ہو کر انھیں گھر سے نکال دیا تھا۔ والد شیخ رکن الدین نے غنا و سماع کی حلت میں ایک رسالہ لکھا تھا مگر صاحبزادے نے حرمت ثابت کی۔[۱]

ملک العلما کے خاندان میں اُن کے بعد دنیوی وجاہت کسی کو اتنی نصیب نہیں ہوئی جتنی شیخ عبد النبی کو حاصل ہوئی تھی۔ وہ حرمین شریفین تشریف لے گئے تھے جہاں حدیث کی تکمیل کی۔ ۹۷۱ھ میں اکبر نے صدر الصدور بنایا۔ شیخ عبد الحق لکھتے ہیں:

"پادشاہ وقت دراں زماں صدرے می خواست کہ بصفت علم و دیانت موصوف باشد۔ بتوسط بعضے اسباب و وسائل در ۹۷۱ھ احدی و سبعین و تسع مائۃ بر مسند صدارت نشست۔ زیادہ از انچہ استحقاق داشت منصب عزت و صدارت یافت و دریں امر کوس استقلال و استبداد زد و از مال و جاہ اعتبار زیادہ از انچہ گفتہ شود نصیب او شد۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۲۲۲)

اس منصب میں جو غیر معمولی وجاہت انھیں نصیب ہوئی اس کے بارے میں بدایونی نے لکھا ہے:

"و دریں سال یا سال گذشتہ بتحقیق نزدیک است شیخ عبد النبی محدث نبیرہ شیخ عبد القدوس گنگوہی را کہ از کبار

---

[۱] یکے از ابنائے او شیخ عبد النبی بود کہ تحصیل بعضے علوم اسمیہ نمودہ بود۔ در جوانی متوجہ زیارت حرمین شد و پیش بعضے از فقہائے مکہ معظمہ برخے از حدیث نبوی برخواند۔ بعد ازاں بوطن اصلی عود کرد۔ و بر تزہد و تعشق منسوب با پدر و اعمام بجہت مسئلہ توحید و سماع در افتاد۔ پدر او در باب اباحت سماع رسالہ نوشت و او نیز در باب آں رسالہ در انکار سماع ساخت۔ لاجرم باعث ایذا و کلفت بسیار شد و ایں باعث شہرت او گشت۔" (اخبار الاخیار صفحہ ۲۲۲)

اسی طرح بدایونی نے منتخب التواریخ میں لکھا ہے:

شیخ عبد النبی صدر الصدور ولد شیخ احمد بن شیخ عبد القدوس گنگوہی است۔ چند مرتبہ در مکہ معظمہ و مدینہ منورہ رفتہ علم حدیث را خواندہ و بعد از آنکہ بازگشتہ آمد از روش آباء و اجداد کرام سماع و غنا را منکر بود و بروشِ محدثین سلوک مے نمود۔" (منتخب التواریخ جلد سوم صفحہ ۷۹)

مشائخ ہندست از قصبۂ اندری کرناں طلبیدہ، صدر الصدور ساختند تا باتفاق مظفرخاں مدد معاش بدہد بعد ازاں مستقل چناں شد کہ عالم عالم اوقاف وانعامات وادرارات بمستحقاں بخشید، چنانچہ اگر بخشش جمیع بادشاہان سابق ہند را در یک پلہ نہند وانعام این عہد را در پلۂ دیگر ہنوز ایں راجح آید" (منتخب التواریخ نولکشوری صفحہ ۱۵۴ - ۱۵۵)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"چوں بمنصب صدارت رسید، جہاں جہاں زمین مدد معاش و وظائف واوقاف بخلائق بخشید چنانچہ در زمان ہیچ بادشاہے ایں چنیں صدرے باستقلال نگذشتہ وعشر عشیر ایں اوقاف کہ او دادہ، ندادہ"۔ (ایضاً ص ۲۰۵)

بادشاہ کی نظر میں یہ وقار پیدا کیا بقول بدایونی:

"بادشاہ را چندگاہ نسبت باو آنچناں اعتقاد پیدا شدہ بود کہ کفش پیش پائے او می نہادند"۔ (ایضاً ص ۲۰۵)

لیکن بعد میں پہلے مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری کی مخالفت سے اور آخر میں بادشاہی حرم کی ناراضگی کے نتیجے میں معزول کیے گئے۔ بدایونی نے لکھا ہے:

"آخر بجہت مخالفت مخدوم الملک وسائر علمائے بدنفس حیلہ گر۔ آں نسبت معکوس شد"

شیخ عبدالنبی کے زوال میں سب سے زیادہ ہاتھ اکبر کی ہندو رانیوں کا تھا۔ ایک برہمن نے شانِ رسالت میں گستاخی کی۔ جرم اس پر ثابت ہو گیا۔ شیخ عبدالنبی نے بادشاہ سے اس کے قتل کی اجازت مانگی، مگر اس نے ہندو بیگمات کی خوشنودی کے لیے اس میں آنا کانی کی۔ آخر شیخ نے اسے قتل کرا دیا۔ بادشاہ کو معلوم ہوا تو ناخوش ہوئے مزید یہ کہ ہندو بیگمات اور مقربین نے اور مزاج برگشتہ کر دیا۔ بقول بدایونی:

"چوں ایں معنی بعرض رسانیدند خیلے درہم و برہم شدند و اہل حرم از دروں وسائر مقربان ہندو از بروں گفتند کہ ایں ملایاں را شما نوازش فرمودید و کار ایشاں حالا بجائے رسیدہ کہ ملاحظہ خاطر شما ہم نمی کنند"۔ (ایضاً ص ۳۰۶)

اتنے میں شیخ مبارک اور ابوالفضل کو بار مل گیا اور انھوں نے بادشاہ کو مجتہد مطلق بننے کا مشورہ دیا۔ علمائے دربار نے فتویٰ دیا اور مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی سے بھی بجبر واکراہ اس محضر پر دستخط کرائے گئے۔ عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے:

"شیخ عبدالنبی و مخدوم الملک را چوں احاد الناس دراں مجلس پاجیاں بزور گرفتہ آوردند و ہیچ کس تعظیم ایشاں نکرد و در صف نعال نشستند"۔[۵]

---

[۵] منتخب التواریخ جلد سوم ص ۸۳

بہر حال حسب تصریح شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۹۸۶ھ میں بڑی بے آبروئی کے ساتھ معزول کیے گئے:

"بعد از مرور سنین و مشہور مزاج سلطنت بسبب بعضے حوادث با وے منحرف شد و از منصب صدارت معزول گشت وکان ذلک فی سنہ ست وثمانین وتسع مائۃ" (اخبار الاخیار، صفحہ ۲۲۲)

اس کے بعد انھیں اور مخدوم الملک کو مکہ معظمہ کی طرف جلاوطن کر دیا۔ یہ کچھ دن بعد لوٹے۔ مخدوم الملک تو گجرات ہی میں فوت ہو گئے۔ شیخ عبدالنبی دار السلطنت میں پہنچے، جہاں پکڑ کر قید کیے گئے اور وہیں قیدخانہ میں ۹۹۲ھ میں انتقال کیا۔

قاضی شہاب الدین کے دوسرے نواسے شیخ رضی الدین تھے۔ انھوں نے بھی اپنے نانا ہی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ فقہ و اصول اور علم کلام و عربیت میں دستگاہ عالی رکھتے تھے۔ ابراہیم شاہ شرقی نے انھیں ردولی شریف کا قاضی بنا دیا تھا، بعدازیں متوطن ہو گئے اور ساری عمر درس و افادہ میں بسر کی۔

تیسرے نواسے مولانا فخر الدین تھے۔ وہ جونپور میں پیدا ہوئے۔ وہیں اپنے نانا (قاضی شہاب الدین) سے تعلیم حاصل کی اور ان کے فیضِ تلمذ سے فقہ و اصول اور عربیت و کلام میں تبحر حاصل کیا۔

## ملک العلما کے تلامذہ

عزیز نواسوں کے علاوہ ملک العلما کے تلامذہ میں مندرجہ ذیل افاضل کو خاص طور سے شہرت نصیب ہوئی:

۱۔ مولانا عبدالملک جونپوری: جون پور میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی سے ملک العلما کی خدمت میں رہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں سند فراغ حاصل کی۔ اس کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اپنے عہد کے عالم بے عدیل تھے۔ لہٰذا استاد کے بعد ان کے مدرسے میں اُن کے جانشین ہوئے۔ ۸۹۰ھ میں وفات پائی اور کٹ گھر (جونپور) میں دفن ہوئے۔

مولانا عبدالملک کے شاگردِ رشید میاں الہداد جونپوری تھے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"از اعاظم علمائے جونپور است، شارح کافیہ و ہدایہ و مدارک۔ در تحریر و تنقیح بطالب علمی قدرت تمام دارد و بیک واسطہ شاگرد قاضی شہاب الدین است و مرید راجی حامد شاہ[1]" (اخبار الاخیار ص ۱۹۷)

---

[1] سید شہاب الدین گنج بخش کی اولاد میں تھے۔ راجی کا نام اُن کے خاندان میں چلا آتا تھا اوائل حال میں سپاہیانہ وضع میں رہتے تھے۔ آخر میں شیخ حسام الدین مانک پوری کے مرید ہو گئے تھے۔ ظاہری علم بقدر ضرورت رکھتے تھے (باقی بر صفحہ ۲۲)

بعد فاتحہ فراغ عمر گرامی کا بیشتر حصہ تالیف و تصنیف میں صرف کیا۔ مصنفات میں حاشیہ تفسیر مدارک شرح ہدایہ، شرح اصول بزدوی کے علاوہ ملک العلما رقاضی شہاب الدین دولت آبادی کی شرح کافیہ پر (جو حاشیہ ہندیہ کے نام سے مشہور تھی) حواشی بھی مشہور تھے[9] لیکن صاحب اخبار الاخیار کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے "کافیہ ابن حاجب" کی خود شرح لکھی تھی [شارح کافیہ] بہرحال آزاد بلگرامی اُن کے بارے میں کہتے ہیں:

"عمر گرامی را بیشتر بہ تدریس و تصنیف صرف ساخت و تصانیف رائقہ و تالیف فائقہ پرداخت مثل شرح ہدایہ فقہ در چند مجلد و شرح بزدوی و حواشی بر حواشی ہندیہ و حاشیہ تفسیر مدارک۔" (مآثر الکرام، ص ۱۹۲)

۲- مولانا علاء الدین جونپوری: عرصہ تک ملک العلما شہاب الدینؒ سے تعلیم پائی۔ انھیں کے واسطے انھوں نے اپنی "کافیہ" کی مشہور شرح لکھی تھی۔ بیس سال کی عمر میں سند فراغ حاصل کی اور مسند درس و افتا پر متمکن ہوئے۔ اپنے عہد کے مشاہیر علمائے جونپور میں شمار کیے جاتے تھے۔ تصانیف میں شرح کافیہ پر (جو استاد نے اُن کے واسطے تصنیف کی تھی اور حاشیہ ہندیہ کے نام سے مشہور تھی) حاشیہ مشہور ہے۔

۳- شیخ محمد عیسیٰ: صدیقی النسب تھے۔ ۷۹۳ھ میں دہلی کے اندر پیدا ہوئے مگر حملہ تیموری کے زمانہ میں اُن کے پدر بزرگوار دیگر مشاہیر وقت کی طرح جونپور چلے گئے۔ وہاں شیخ فتح اللہ الہ دادی کے مرید ہوئے۔ شیخ فتح اللہ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲) لیکن دانشمند اُن وقت اُن کے مرید تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ جب کسی مشکل مسئلہ کی تحقیق بیان فرماتے تو اپنی سرگذشت بیان کرنا شروع کر دیتے اور اسی ضمن میں اس مسئلہ کی وضاحت بھی ہو جاتی۔ اسی انداز سے مولانا الہ داد ان کے حلقہ ارادت میں آئے۔ مولانا الہ داد کے ایک ہم سبق شیخ حسن طاہر تھے جو حاجی حامد شاہؒ کے مرید تھے۔ ایک دن مولانا الہ داد نے انھیں ملامت کی کہ پڑھا لکھا سب ڈبو دیا کہ ایک اَن پڑھ درویش کے حلقہ ارادت میں چلے گئے۔ شیخ حسن طاہر نے کہا ایک مرتبہ ذرا اُن کی خدمت میں چل کر دیکھ لو پھر ملامت کر لینا اور پھر بقول شیخ عبدالحقؒ: "روز دیگر ہر دو قصد ملازمت کردند۔ مولانا الہ داد مسئلہ چند از ہدایہ و بزدوی کہ بسبب اشکال موسوم بودند، تصور کردہ باخود راست کرد۔ چوں بخدمت سید رسیدند، او بہماں عادت خود از سرگزشت احوال خود حکایت آغاز کرد کہ مضمن رفع اشکالات مولانا الہ داد گردید۔ مولانا نیز مرید شد و بسلوک طریق مجاہدہ ریاضت مشغول گشت۔" (اخبار الاخیار، ص ۱۹۷)۔ مولانا الہ داد کے مرید شیخ معروف جونپوری تھے اور ان کے مرید شیخ احمد زین۔

[9] مآثر الکرام صفحہ ۱۹۲۔ [5] خلیفہ شیخ صدرالدین حکیم است۔ در اوائل حال از علمائے دہلی بود۔ سالہا در مسجد جامع دہلی پائیں منار شمسی بر مسند درس و افادت جا داشت و در آخر مرید شیخ صدرالدین حکیم شد و بسلوک ایں طریقہ مشغول گشت۔" (اخبار الاخیار صفحہ ۱۶۸) شیخ صدرالدین حکیم شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے اجل خلفا میں رہتے تھے۔

انھیں علوم شرعیہ کی تکمیل کا حکم دیا اور شیخ محمد عیسیٰ نے جا کر ملک العلما کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ انھیں بھی اُن سے بے حد انس و محبت تھی۔ ملک العلما کی تصانیف میں اصول بزدوی کی شرح مشہور ہے۔ یہ شرح جو بحث امر تک ہے ملک العلما نے شیخ محمد عیسیٰ ہی کے لیے لکھی تھی۔ علوم شرعیہ کی تکمیل کے بعد پھر شیخ کی خدمت میں پہونچے اور تصفیہ باطن میں مشغول ہو گئے[۱] اسی ترک و تجرید اور ریاضت و مجاہدہ کی زندگی کے بعد ۸۷۰ھ میں وفات پائی۔ امرا و سلاطین سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ ہر دم مراقبہ میں رہتے تھے، یہاں تک کہ مہرہ گردن اٹھ آیا تھا اور ٹھوڑی سینہ سے لگ گئی تھی۔ اکثر یہ شعر وردِ زبان رہتے تھے ؎

من دلق خود با فسر شاہاں نمی دہم — من فقر خود بملک سلیماں نمی دہم

از رنج فقر در دل گنجے کہ یافتم — ایں رنج را براحت شاہاں نمی دہم

شیخ محمد عیسیٰ کے مریدانِ باصفا میں شیخ بہاء الدین جونپوری[۲] اور شیخ مبارک بنارسی مشہور تھے۔

۴۔ قاضی سماء الدین جونپوری: قاضی شہاب الدینؒ کے براہ راست شاگرد تو نہیں تھے لیکن اُن کے تلامذہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اپنے عہد کے اکابر علما میں سے تھے۔ آخری شرقی سلطان حسین شاہ ان کا شاگرد تھا۔ چنانچہ تخت نشین ہونے پر اس نے اُن کے فہم و ذکا سے متاثر ہو کر اپنا وزیر بنا لیا تھا اور قتلغ خاں کا خطاب دیا تھا۔ حسین شرقی اور بہلول لودھی سے جو معرکے ہوئے قتلغ خاں (قاضی سماء الدین) اُن میں موجود تھے۔ اور ۸۸۱ھ کے آخری معرکہ میں قید ہوئے۔

رسمی علوم میں تبحر کے علاوہ اصابت رائے اور حسن تدبیر کے ساتھ متصف تھے۔ فرشتہ نے لکھا ہے

[۱] شیخ محمد عیسیٰ از کبار مشائخ جونپور است۔۔ مرید شیخ فتح اللہ اودھی است۔ والد او شیخ احمد عیسیٰ از اکابر دہلی است۔ در وقتے کہ از آمدن امیر تیمور بصوب دہلی افتاد، اکثرے از اکابر بجانب جونپور رفتند۔ و او نیز در آں میاں بود، و او شیخ محمد عیسیٰ در آں زمان ہفت ہشت سالہ بود۔ وہم در سن صغر بمقتضٰی سعادت ازلی و استعداد جبلی مرید شیخ فتح اللہ شد و باوجود آں باشارت پیر مدتے پیش ملک العلما قاضی شہاب الدین تلمذ کرد و شرح اصول بزدوی کہ قاضی تا بحث امر دارد، بتقریب او نوشتہ است و بعد از فراغ از تحصیل علم ظاہر در خدمت شیخ بتصفیہ باطن مشغول شد۔"

(اخبار الاخیار صفحہ ۱۸۰)

[۲] شیخ بہاء الدین جونپوری از مشاہیر مشائخ آں دیار است۔ مرید شیخ محمد عیسیٰ است در ترک و تجرید و صدق و ورع قدمے داشت۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۱۹۷)

کہ جب بہلول لودھی نے اپنی وفات کے قریب امراء کے دباؤ سے سکندر لودھی کو ولی عہدی سے معزول کرنا چاہا اور اسے دہلی سے بلایا تو سکندر لودھی نے قتلغ خاں ہی سے مشورہ کیا اور انھیں کی رائے پر عمل کیا:۔

"سلطان سکندر بقتلغ خاں وزیر سلطان حسین شرقی کہ دستگیر شدہ در دہلی محبوس بود و باصابت رائے اشتہار داشت مشورت کرد" (تاریخ فرشتہ جلد اول، صفحہ ۱۷۸)

لیکن اولاد امجاد اور تلامذہ کرام سے زیادہ دیرپا ورثہ ملک العلما نے اپنی تصانیف عالیہ کی شکل میں چھوڑا۔

---


# اسلام اور فطرت

(از مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

فطرت کیا ہے اور اسلام کیوں کر فطرت کے مطابق ہے۔ اس موضوع پر یہ ایک انوکھی کتاب ہے۔

قیمت : ۲/۲۵ روپے

# مکتوب مدنی

(از مولانا محمد حنیف ندوی)

شاہ ولی اللہ کے اس مشہور مکتوب کا سلیس اردو ترجمہ جس میں شاہ صاحب نے اپنے مسئلہ وحدت شہود اور وحدت وجود میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔

قیمت : ۱/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ

سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ لاہور